امن کے حوالے سے اسلام پر کئے جانے والے اعتراضات کا جائزہ

An Overview of the Objections against Islām with Regard to Peace

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر*

ABSTRACT

In the present age, a great conflict has become the source of clash between Islām and the rest of the world, especially, the western world. The world of Islām is accused of having and breeding the fanatical elements, who help promote terrorism in the world. The Western world and the media leave no opportunity to malign the name of the most peaceful religion of the world.

This article illumines that Islām is a peace loving religion and does not approve terrorism. Those elements, involved in disrupting peace are not the true representative of Islām. They make a very minor portion of the Islamic world.The majority of Muslims are peace loving people and they need to be given a due coverage by the media.

This research article is an attempt to present a very soft, peaceful and noble image of Islām before the world, especially, the western world. The two main sources of Islām: al-Qur'ān and the sayings of the Prophet of Islām, the prophet Muḥammadﷺ, have been quoted extensively, to prove that the religion and the meanings of the world, 'Islām', all reflect peace, fraternity, friendship and altruism. The Western scholars have also been quoted appropriately to support the said premise.

Keywords: *Peace; Islām; Terrorsim; Media; the West*

* چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا

عصر حاضر میں دہشت گردی اور اسلام دو ایسے لفظ ہیں جن کا آپس میں دور کا بھی کوئی تعلق نہ ہونے کے باوجود مغربی میڈیا کی کاوشوں اور مہربانیوں سے باہم جڑے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ میڈیا بڑی شدت سے عکاسی کرنے میں لگا ہوا ہے کہ اسلام اور دہشت گردی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دہشت گردی کا جو مفہوم عالمی بالخصوص مغربی میڈیا نے عوامی سطح پر عام کیا ہے وہ سراسر غلط اور تعصب پر مبنی ہے۔

اسلام مخالف طبقات کی تخریبی ریشہ دوانیاں، معاندانہ اقدامات اور معاشی، اقتصادی، جنگی، ابلاغیاتی، تعلیمی، اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی استحصال (Exploitation) یہ ایسے اسباب و پس منظر ہیں جس کی بناء پر اسلام صحیح معنوں میں مجروح ہوا ان تمام تر معاندانہ، مخالفانہ اور دشمنانہ سازشوں اور کاروائیوں کے پس پردہ جو جذبہ کارفرما ہے وہ ہے اسلام دشمنی اور تقابلی عصبیت افسوس کی بات یہ ہے کہ اس عصبیت اور دشمنی کے مظاہرہ میں اسلام دشمن اقوام ان تمام حدود کو پھلانگ گئی ہیں۔ اسلام، جو کہ فی نفسہ سراسر امن و سلامتی کا داعی ہے، میں دہشت گردی انتہاپسندی اور ناجائز سخت گیری کا کوئی جواز ہی نہیں ملتا اور نہ اس کے کسی مذہبی حکم سے انسانیت مخالف عناصر کی حمایت ہوتی ہے بلکہ اسلام کے ہر شعبے میں نرم خوئی، امن و سلامتی، انسانیت پسندی اور حقوق کی رعایت و حفاظت کا ایک طویل ترین باب ملتا ہے حقوق العباد کے عنوان سے اسلام کا شرعی کلیہ بھی موجود ہے جس کا توسیعی مظہر امن و سلامتی، رحمت و رأفت اور احترام انسانیت ہی سے ماخوذ ہوتا ہے اور اسی بنیاد پر اسے دین رحمت بھی کہا جاتا ہے۔ اسلام پر دہشت گردی کے الزام کا جائزہ لینے سے قبل اسلام اور امن کے باہمی تعلق کو واضح کرنا ضروری ہے۔

اسلام جس کا مصدر س ل م (سِلم) ہے، کی تعریف علامہ ابن منظور الافریقی شہرہ آفاق لغت "لسان العرب" میں یوں کرتے ہیں

" سلم: السلامة والسلامة: البراءة و قال الاعرابى السلامة العافية ۔ ۔ وقال ابوالهيثم السلام والتحية معناهما واحد، و معناهماالسلامة من جميع الآفات والسلام والستسلام الانقياد"[۱]

"سلم سے السلام اور السلامة ہے جس کا معنی بری ہونا ہے۔ ابن اعرابی کہتے ہیں کہ السلامة کا معنی عافیت ہے ابو الہیثم کا کہنا ہے کہ اسلام اور تحیة ہم معنی ہیں اور السلام کا معنی تمام آفتوں سے مامون رہنا ہے اسلام اور استسلام کا معنی اللہ تعالیٰ کے احکامات کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہے"۔

یعنی لفظ اسلام امن و سلامتی اور عافیت و آشتی کا آئینہ دار ہے، جس کا اقرار معروف برطانوی مصنفہ کیرن آرم سٹرانگ یوں کرتی ہیں:

The word 'Islām' comes from the same Arabic root as the word peace.(2)

"لفظ اسلام عربی کے مصدر سلم بمعنی امن سے ماخوذ ہے"

فیروز اللغات کے مطابق "امن میں چین، اطمینان، سکون، آرام کے علاوہ صلح و آشتی اور پناہ کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔"(۳)

حدیث نبوی میں اسلام کے پیروکار مسلمان کی تعریف ہی یہ کی گئی ہے کہ:

« الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ. » (۴)

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے لوگ امن میں ہیں۔

نیز قرآن مجید میں اللہ کے جو صفاتی نام ہیں ان میں بھی ایک نام السلام (الحشر: ۲۳) ہے اور اسی کی تائید حدیث میں ہے: ان الله هو السلام (یعنی اللہ خود سلامتی ہے)۔ اسی طرح اللہ کی ہدایت کو قرآن میں سبل السلام (۵) کہا گیا ہے یعنی امن کے راستے۔ اور خود یہ کتاب ہدایت "سلامتی والی رات"٦ میں نازل ہوئی ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سلامتی والی رات میں آنے والی، سلامتی دینے والی طرف سے آئی ہوئی ہدایت و سلامتی کی یہ کتاب ہرگز ہرگز خونریزی اور جبر کی تعلیم نہیں دے سکتی۔ کیوں کہ اس عارضی دنیا میں امن و سلامتی کی تربیت اس لیے دی جا رہی ہے کہ آخرت میں انسان کے قیام کی معیاری جگہ جنت ہے اور قرآن میں جنت کو دارالسلام (۷) کہا گیا ہے یعنی امن کا گھر۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ اہل جنت کا قول ایک دوسرے کے لیے سلاماً سلاماً (۸) ہو گا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ اہل جنت کا اجتماعی کلچر پیس کلچر ہو گا۔

قرآن میں ارشاد ہے: ﴿وَٱلصُّلۡحُ خَيۡرٞ﴾ [۹] یعنی صلح کی روش اپنے نتیجہ کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہے۔ فطرت کے قانون کے مطابق اللہ نے مصالحانہ طریق عمل پر وہ کامیابی مقدر کر دی ہے جو اس نے غیر مصالحانہ یا متشددانہ طریق عمل پر مقدر نہیں کی۔پیغمبر اسلام کی اہلیہ عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اجتماعی معاملات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنرل پالیسی کو اس طرح بیان کرتی ہیں: «ما خير رسول الله ﷺ بين امرين الا اختارا يسرهما» (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسانی کا اختیار کیا)۔

اسلام کی تمام تعلیمات اور پیغمبر اسلام کی عملی زندگی اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ داعی اسلام نے پوری زندگی امن پسندانہ پالیسی کو اپنایا، جیسا کہ مکہ سے ہجرت کے موقع پر مشرکین جنگ پر آمادہ تھے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی کے ساتھ مکہ سے نکل کر مدینہ چلے گئے، معاہدہ حدیبیہ (۶۲۸ء) کے موقع پر پورے معنوں میں جنگی حالات پیدا ہو گئے تھے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی یکطرفہ شرائط پر راضی ہو کر ان سے امن کا معاہدہ کر لیا۔ غزوہ خندق (۶۲۷ء) کے موقع پر مشرکین کی بارہ ہزار فوج مدینہ کی سرحد پر جنگ کا چیلنج کر رہی تھی۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لمبی خندق کھود کر اپنے اور دشمنوں کے درمیان کے فاصل (Buffer) قائم کر دیا، وغیرہ وغیرہ۔

علاوہ ازیں محسن انسانیت، پیغمبر امن و سلامتی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انسانیت کے نام منشور اعظم، جسے اس کی قدامت و اخرویت، کاملیت و عمومیت اور فصاحت و بلاغت کے باعث "حجة الاسلام"، "حجة البلاغ"، "حجة التمام"، "حجة الكمال" اور "حجة الوداع" کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے [۱۰]، کے بارے میں یہ کہنا بجا ہے کہ یہ امن و امان کے لئے انسانیت کا سب سے پہلا منشور انسانی حقوق (Declaration of Human Rights) اور ظلمت کدہ عالم سے انسان دشمنی، بدامنی، ناانصافی، جبر و تشدد اور استحصال و استبداد کے خاتمے پر مبنی فلاحی نظام ہے۔ یہ امن و امان کی معراج اور انسانی حقوق کے تحفظ کا دائمی نشان ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں امن کی حیثیت عموم (Rule) کی ہے اور جنگ کی حیثیت صرف استثناء (exception) کی۔ اسلام اور امن و سلامی کے ہم معنی کے باوجود اس پر فساد و دہشت گردی کا اتہام و الزام آج کے جدید مغرب کی ذہن رسا پید اور نہیں، بلکہ ماضی میں بھی اسلام اور پیغمبر اسلام پر اسی

قسم کے الزامات لگائے جاتے رہے ہیں۔ مشت از خروارے بعض الزامات کا کا جائزہ لیا جاتا ہے جن کی ہی بازگشت آج سنائی دی جاتی ہے۔

اعتراض : پیغمبر اسلام نے جنگ و جبر سے طاقت حاصل کی۔

سر ولیم میور نامی ایک مستشرق ایک جگہ اسلام کی اخلاقیات کا جائزہ پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"ہجرت سے پہلے محمد (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) ببانگ دہل کہتے تھے کہ مذہب میں کوئی جبر نہیں لیکن جونہی انہوں نے قوت حاصل کی تلوار نکال لی جسے پھر واپس نیام میں نہیں رکھا گیا اور ان کے پیروکار بھی ان کے نقش قدم پر چلتے رہے۔"(۱۱)

یہودی مستشرق گولڈزیہر پیغمبر رحمت کی مدنی زندگی کے متعلق رقمطراز ہے:

"محمد (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) نے ایک دم اپنا رخ ان اطراف کی طرف کیا جن کا تعلق دنیا سے تھا۔ چنانچہ وہ دنیا میں تلوار لے کر وارد ہوئے۔ انہوں نے جنگ کا بگل بجایا اور اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے ان کی تلوار سے خون ٹپکنے لگا۔"(۱۲)

منٹگمری واٹ اسلامی جہاد کی روح کو مسخ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"محمد (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) جب ۶۲۲ء میں مدینہ گئے تو مہاجرین میں سے چند ایک قبائلی ڈاکوں میں مصروف ہو گئے۔ غالباً اس کا مقصد اوروں کو ترغیب دینا تھا تاکہ وہ بھی ان ڈاکوں میں شمولیت اختیار کریں جسے قرآن نے اللہ کے راستے کا جہاد قرار دیا ہے۔"(۱۳)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے صرف اور صرف قیام امن کے لیے ناگزیر حالات میں تلوار اٹھائی اور اسی حد تک جنگی اقدامات کیے جن کی اشد ضرورت تھی، کیونکہ قیام امن کے لیے بعض دفعہ جنگ ناگزیر ہوتی ہے۔ جنگ کی ضرورت اور اس کے ناگزیر ہونے کی بابت ایک غیر مسلم لکھتا ہے:

"War is a constituent element of the history of mankind."[14]

"جنگ تاریخ انسانی کا عنصر ترکیبی ہے۔"

اس طرح جنگ عظیم اول کے جرنیل فریڈرک وان برن ہارڈی کا کہنا ہے:

"جنگ ایک حیاتیاتی ضرورت ہے اور اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ عناصر فطرت میں تنازع للبقاء۔ یہ تنازع للبقاء حیاتیاتی طور پر عناصر کو ٹھیک ٹھیک ان کے موزوں مقام پر رکھتا ہے اور عناصر کے مقام کی موزونیت خود عناصر کی طبعی حالت پر منحصر ہے۔"[۱۵]

معاشرتی اصلاح کے لیے جن فسادی عناصر کا قلع قمع ضروری ہے اس کے لیے جنگ امر لازمہ ہے اسلام میں بھی اسی لیے تلوار اٹھائی گئی تھی، جسے آج میڈیا کے زور سے ایک عیب اور طعنہ بنا دیا گیا ہے۔ اسلام میں جنگ کی نوعیت کیا ہے؟ اس کے بارے کیرن آر مسٹر انگ لکھتی ہیں:

"اسلام ایسی جارحانہ جنگ کی اجازت نہیں دیتا، جس میں انسانیت کی تباہی مقصود ہو۔ اسلام نے جنگ کے ناگزیر ہونے کو تسلیم کیا ہے۔ بعض اوقات جنگ ظلم و تعدی کے سدباب کے لئے فرض عین بن جاتی ہے۔ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ جنگ اپنی حدود میں رہ کر کی جائے اور جہاں تک ممکن ہو، اخلاقی اور انسانی اقدار کا پاس کیا جائے۔"[۱۶]

اسلام اور پیغمبر اسلام پر اعتراضات کے پس پشت ذہنیت کیا ہے، اس کا اظہار خود ایک گھر کے بھیدی کے الفاظ میں یوں کیا گیا ہے۔

"تاریخ کی عظیم ترین شخصیات میں سے مغرب میں محمد (ﷺ) کی سب سے کم پذیرائی ہوئی ہے۔ مغربی مصنفین آپ (ﷺ) کے بارے میں بدترین چیز پر بھی یقین کرنے کو تیار رہتے ہیں اور جہاں کہیں اپنے فعل کی قابل اعتراض توجیہ ممکن دکھائی دیتی ہے، فوراً اسے ایک حقیقت تسلیم کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔"[۱۷]

کیرن آر مسٹر انگ اپنی کتاب میں لکھتی ہیں:

"اسلام کو تلوار کے دین کا لیبل لگا کر بدنام کیا گیا۔ ایک ایسا دین، جس نے تشدد اور عدم رواداری کو مقدس بنا کر روحانیت حقیقی کو ترک کر دیا ہو، یہ ایک ایسا مفروضہ ہے جس نے قرون وسطی سے مغربی عیسائی دنیا میں اسلام کو ذلیل کر دیا ہے۔ اگرچہ اس زمانے میں عیسائی مشرق وسطی میں اپنی جنگوں میں مصروف تھے، جنہیں وہ "مقدس جنگوں" کا نام دیتے تھے۔ آج عام پڑھی جانے والی کتابوں اور ٹیلیویژن پروگراموں میں اسلام کو عموماً "Rage of Islām, Sacred Rage or Holy Terror" کے القاب سے متعارف کرایا جاتا ہے جبکہ یہ حقیقت سے اغماض اور اسے توڑ مروڑ کے پیش کرنا

ہے۔ مغرب میں ہم لوگ محمد (ﷺ) کو آقائے حرب و جنگ کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ ایسا آقا جس نے دنیا پر اس کے نہ چاہنے کے باوجود اسلام کو بزور شمشیر مسلط کرنے کے لئے اپنی تلوار چمکار کھی ہو۔ حقیقت اس کے بالکل بر عکس ہے۔ محمد (ﷺ) اور شروع دور کے مسلمان اپنی حیات کی بقا کی جنگ لڑ رہے تھے، انہوں نے دنیا کو ایسا پُر امن نظام عطا کرنا تھا، جس کے حصول میں (مناسب) تشدد ناگزیر تھا، اس لئے اصلاح پر مبنی کوئی بھی سماج اور سیاسی انقلاب خون ریزی کے بغیر برپا نہیں ہو سکتا، چونکہ محمد (ﷺ) افراتفری اور لا قانونیت کے دور میں رہ رہے تھے، لہٰذا امن و آشتی کو بزور شمشیر ہی حاصل کی جا سکتا تھا۔۔۔۔۔۔ ج ہ د کے مادے میں مقدس جنگ سے زیادہ وسیع معنی ہیں اور یہ اخلاقی، جسمانی، روحانی، اور ہر طرح کی ذہنی جدوجہد کا نام ہے۔ عربی زبان میں حرب، سریہ، معرکہ اور قتال جیسے بہت سے الفاظ مسلح جنگ کے لئے مستعمل ہیں۔ اگر مقصود خونریزی ہوتا تو قرآن ان الفاظ کو بآسانی استعمال کر سکتا تھا۔ جہاد دین اسلام کے پانچ ستونوں میں سے نہیں ہے، جیسا کہ مغرب میں سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ مسلمانوں پر ایک ایسے فریضے کے طور پر عائد کیا گیا ہے کہ وہ کارزار حیات کے تمام محاذوں پر بالکل چوکس رہیں تا کہ ایک منصفانہ فلاحی اور خوشگوار معاشرے کی تشکیل کی جا سکے۔ جس میں بے سہارا اور مفلوک الحال لوگوں کا استحصال نہ ہو سکے۔ (۱۸)

جیمز مائیکنر کے مطابق:

"اہل مغرب میں ہمیں عام تاثر ملتا ہے کہ اسلام نے اپنے آپ کو بزور شمشیر منوایا ہے لیکن عہد حاضر کا کوئی بھی سکالر اس بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں اور قرآن کو واضح طور پر آزادی ضمیر کی حمایت کرتا ہے۔ اس بات کی ٹھوس گواہی موجود ہے کہ اسلام نے مختلف مذاہب کے لوگوں کو خوش آمدید کہا۔" (۱۹)

اے ایس ٹریٹن لکھتا ہے:

"مسلمان مجاہدین کو ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار تھامے ہوئے دکھانے کی تصویر کشی کرنا بالکل غلط اور حقائق کے خلاف ہے"۔ (۲۰)

دشمنان اسلام اور مستشرقین کی طرف سے نبی انسانیت کو جسے اس کے بھیجنے والے نے رحمۃ اللعالمین کا تاج بے بہا پہنا کر بھیجا، لوٹ مار، قزاقی اور خونخوار کے الزامات دینا، ان کی کور چشمی اور ضد اور تعصب کی دلیل ہے۔ باطل کے مقابلے میں قوت کا مظاہرہ پیغمبر اسلام ﷺ سے پہلے بھی متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا معمول رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنہیں عیسائی دنیا میں عفو و درگزر، صلح و آشتی اور امن و سلامتی کا پیکر سمجھا جاتا ہے، انہوں نے بھی طاغوتی قوتوں کے سر غرور کو خاک میں ملانے کے لئے اپنے حواریوں کو تلواریں بے نیام کرنے کا حکم دیا تھا:

"یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا ہوں۔ صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں۔"(۲۱)

اگر عیسیٰ علیہ السلام صرف پونے تین سال تبلیغ کرنے کے بعد تلوار اٹھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور پھر بھی آپ عیسیٰ علیہ السلام کو "پیغمبر امن و صلح" کہا جاتا ہے، تو اگر تیرہ سال کا عرصہ گوناگوں اذیتیں برداشت کرنے کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ قیام امن اور دفع شر کے لیے تلوار اٹھائی، تو ان پر انواع واقسام کے بہتان والزامات، چہ معنی دارد؟

اسلام میں جہاد (بمعنی قتال) ایک مقدس فریضہ ہے جو عدل و مساوات، امن وامان کی حکمرانی، ظلم و ستم کی بیخ کنی کے لئے بوقت ضرورت ہتھیار کے استعمال سے عبارت ہے اور اس قدر تشدد سے جو بظاہر تشدد ہے اور درحقیقت امن کا پیام بر، بوقت ضرورت گریز ایک مجرمانہ قدم ہی کہا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے نظریہ قتال میں ہی فلسفہ امن مخفی ہے۔ اور اسلام پر تلوار کی تہمت مسخ عمد کی بدترین مثال ہے۔

اعتراض: اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے۔

اسلام کو بزور شمشیر نہ داعی اسلام ﷺ کے دور میں پھیلایا گیا اور نہ ان کے بعد کسی دور میں یہ مذموم کوشش کی گئی۔ اب دشمنان اسلام اور مستشرقین کا یہ پروپیگنڈہ پرانا ہو چکا ہے کہ اسلام بزور تلوار پھیلا ہے۔ آیا یہ اعتراض درست ہے یا محض حسد پر مبنی ہے؟ اس کی حقیقت کو جب علم کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو پتہ یہ چلتا ہے کہ اسلام میں طاقت کا استعمال صرف ظلم کے خاتمے، امن کے فروغ اور عدل کے قیام کے لئے ہے اور اسلام کا یہ پہلو سیرت النبی ﷺ، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد کے ادوار سے بخوبی

آشکار ہو جاتا ہے نیز اسلام تو جبر کی نفی کرتا ہے جس کا اظہار قرانی آیات میں ﴿ لَآ إِكۡرَاهَ فِي ٱلدِّينِۖ ﴾، ﴿ أَفَأَنتَ تُكۡرِهُ ٱلنَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُواْ مُؤۡمِنِينَ ﴾، ﴿ فَمَن شَآءَ فَلۡيُؤۡمِن وَمَن شَآءَ فَلۡيَكۡفُرۡ ﴾ جیسے اعلانات سے کیا گیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غلام اسبق ایک عیسائی تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی بڑی خواہش تھی کہ وہ مسلمان ہو جائے۔ لیکن جب اس پر اسلام پیش کرتے، انکار کر دیتا تو آپ رضی اللہ عنہ ﴿ لَآ إِكۡرَاهَ فِي ٱلدِّينِۖ ﴾ کہہ کر چپ کر جاتے۔(۲۲)

عقلی لحاظ سے یہ بات واضح ہے کہ تلوار کے زور سے کوئی بات نہیں منوائی جاسکتی۔ اگر منوا بھی لیا جائے تو قائم نہیں رکھا جاسکتا۔ مگر جو بھی اسلام میں داخل ہوا، پھر مرتد نہ ہوا۔ اگر تلوار کے ذریعہ بات منوائی جاسکتی، تو قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بات کیوں نہ منوائی۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ:

۱۔ ابتداء میں ایمان لانے والے مسلمان تیرہ سال تک ظلم کی چکی میں پستے رہے، انہیں کونسی تلوار نے مجبور کیا تھا۔

۲۔ مدینہ پہنچ کر بدر کے میدان میں مسلمانوں کے پاس کونسی تلوار تھی؟ چودہ سال میں صرف ۳۱۳ مجاہدین سامنے آتے ہیں، لیکن ایک سال بعد جنگ احد میں یہ تعداد دوگنی ہو جاتی ہے، یہ اضافہ کونسی تلوار نے کیا؟(۲۳)

۳۔ احد میں تلوار دشمنوں کے پاس تعداد میں پانچ گنا زیادہ تھی۔ لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ تلوار والوں میں سے بہت سے تعداد مسلمانوں سے آملتی ہے۔(۲۴)

۴۔ صلح حدیبیہ میں تلوار کا مسئلہ ہی سامنے نہ آیا، لیکن مسلمانوں کی جمعیت میں لا تعداد اضافہ ہو گیا۔(۲۵)

۵۔ فتح مکہ میں لوگوں کو عام معافی مل گئی(۲۶)، تو اسلام لانے پر کونسی تلوار نے مجبور کیا؟

اسلام کی اشاعت کے اسباب

بلاشبہ اسلام نہایت کثرت سے پھیلا؟ مگر اس کے اسباب تلوار نہیں، بلکہ درج ذیل ہیں:

۱۔ معاشرتی مساوات: مصر کے لوگ عہد فاروقی میں کثرت سے مسلمان ہوئے، اگر بزور تلوار ہوتے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے غلام کو مسلمان بنا دیتے؟ اسلام مساوات کا دین ہے۔

"جنوبی بھارت میں اونچی ذات کے ہندوؤں کے مظالم سے تنگ آکر ۱۳۰۰ نے اسلام قبول کر لیا۔"(۲۷)

۲۔ قانونی مساوات: ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو پیش کر کے اعلان کیا۔ جس نے مجھ سے کوئی بدلہ یا قصاص لینا ہو وہ آج سے لے سکتا ہے۔"(۲۸)

دور فاروقی میں شام کے گورنر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو رومیوں نے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ شہنشاہ کا دربار اور شان وشوکت دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"تم کو اس پر ناز ہے کہ تم ایسے شہنشاہ کی رعایا ہو، جس کو تمہاری جان ومال کا اختیار ہے۔ لیکن ہم نے جس کو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے، وہ کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ اگر وہ زنا کرے، تو اس کو درے لگائے جائیں گے۔ چوری کرے، تو ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں۔ وہ پردے میں نہیں بیٹھتا، اپنے آپ کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا، مال ودولت میں آپ کو ترجیح نہیں۔"(۲۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ چوری ہو گئی، یہودی نے چوری کی تھی۔ مگر جب معاملہ عدالت میں گیا، تو آپ رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے بیٹے اور غلام کے سوا کسی کی گواہی نہ تھی۔ قاضی نے کہا کہ اسلام میں ان دونوں کی گواہی آپ رضی اللہ عنہ کے حق میں قبول نہیں۔ یہودی اس نظام سے اتنا متاثر ہوا کہ ایمان لے آیا۔ زرہ لوٹا دی۔ اسے کس تلوار نے مجبور کیا تھا؟(۳۰)

۳۔ کردار کی پاکیزگی: دمشق اور حمص میں شکست کے بعد عیسائی انطاکیہ پہنچے اور وہاں جا کر ہرقل شہنشاہ روم سے فریاد کی کہ اہل عرب نے تو تمام شام کو پامال کر دیا۔ ہرقل نے چند تجربہ کار آدمیوں کو بلا کر کہا کہ عرب تم سے زور میں جمیعت میں سازوسامان میں الفرض ہر لحاظ سے کم ہیں۔ پھر تم ان کے مقابلے میں کیوں نہیں ٹھہر سکتے؟ سب نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ ایک تجربہ کار بوڑھے نے کہا: "عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں۔ وہ رات کو عبادت کرتے ہیں، دن کو روزہ رکھتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ برابری سے ملتے ہیں۔(۳۱)

۴۔ معاملات کی صفائی: شام کی فتوحات کے سلسلہ میں کچھ جنگی مصلحتوں کے پیش نظر مسلمانوں کے حمص سے واپس جانا پڑا، مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اہلیان حمص سے جزیہ وصول کر چکے تھے، اور ان کی دفاعی حفاظت قبول کر چکے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اکٹھا کر کے کہا: ہم کو جو تعلق تمہارے ساتھ تھا۔ وہ اب بھی ہے، لیکن چونکہ اس وقت تمہاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔ اس لیے جزیہ جو خدمت کا معاوضہ ہے، تم کو واپس کیا جاتا ہے"۔ عیسائیوں پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ روتے جاتے اور کہتے کہ اللہ تم کو واپس لائے۔[۳۲]

۵۔ عفو درگزر: غزوہ ذات الرقاع سے واپسی پر ایک بدو درخت سے لٹکی ہوئی تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا۔ اب تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے کہا: "میرا اللہ"۔ یہ سن کر تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ اور آپ ﷺ کے ہاتھ تلوار آئی، تو آپ نے اسے معاف کر دیا۔ وہ مسلمان ہو گیا۔[۳۳]

حقیقت یہ ہے کہ اسلام بزور طاقت ہر گز نہیں پھیلا، بلکہ اپنی عالمگیر صداقت، عقل پر مبنی تصورات اور سچائی پر مبنی دلائل کی بدولت اسلام کو فروغ ملا ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف مہاتما گاندھی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

> "میں کسی ایسی ہستی کی سوانح کی تلاش میں تھا، جس نے بنی نوع انسان کے کروڑوں دلوں پر غیر متنازعہ مشفقانہ قبضہ کر رکھا ہو اور بالآخر میں اس حقیقت کا قائل ہو گیا کہ یہ تلوار نہیں تھی، جس نے اس زمانے میں کارزار حیات میں اسلام کے لئے جگہ بنائی ہو، بلکہ یہ پیغمبر اسلام (ﷺ) کی انتہائی سادگی، جان نثاری، ایثار، معاہدوں کی پابندی کی ذمہ داری، آپ ﷺ کی امانت و دیانت، خدا خوفی، بے باکی، اپنے خدا پر مکمل بھروسہ اور اپنے مشن کی صداقت پر یقین جیسی حقیقتیں تھیں۔ انہی تابندہ حقیقتوں نے اپنے سامنے ہر رکاوٹ کو تسخیر کر لیا، نہ کہ تلوار نے۔"[۳۴]

مذکورہ بالا معروضات سے عیاں ہے کہ اسلام میں امن وامان، انسانیت کے احترام اور اس کے حقوق کی حفاظت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ لہٰذا اسلام کو دہشت گردی سے جوڑنا ایک غیر معقول بات، غیر منصفانہ عمل ہے اور ایک عالمگیر مذہب اور اس کے ماننے والوں کی صریح حق تلفی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱) الافریقی، ابن منظور، جمال الدین مکرم بن مکرم، لسان العرب، (دار صادر، بیروت) ذیل مادہ سلم

۲) Karen Armstrong , Holy War, Macmillan Limited London 1988, p25

۳) فیروز اللغات، ص:۱۲۲

۴) النسائی، احمد بن شعیب، سنن النسائی، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب، الطبعہ الثانیہ، ۱۴۰۶ھ، کتاب الایمان، باب صفۃ المؤمن حدیث:۴۹۹۵

۵) سورۃ المائدہ:۱۶

۶) سورۃ القدر:۵

۷) سورۃ یونس:۲۵

۸) سورۃ الواقعہ:۲۶

۹) سورۃ النساء:۱۲۸

۱۰) ٹھٹوی، محمد ہاشم مخدوم، بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ، سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد، ص۲۷۸

۱۱) William Muir, Mohamed and Islām, London 1895, P.28

۱۲) Goldziher, Introduction to Islamic Theology and Law, Princeton University Press, 1981, P.23

۱۳) Montgomery Watt, Islamic surveys, Edinburgh University Press, 1972, P.56

۱۴) W.J Goats, Armed forces as power, Exposition Press, New York 1966, P.15

۱۵) M.F Ashley Montage, Man in Process, New York Publishing Co. NY 1961, P.76

۱۶) Karen Armstrong , Holy War, Macmillan Limited London 1988, p25

۱۷) Montgomery Watt, Muhammad at Mecca, Oxford, 1953, P.50

۱۸) Karen Armstrong, Muhammad A Biography of the Prophet, US 1992, P.164, 168

۱۹) "Islām- The Misunderstood Religion" by James Michener, "Reader's Digest" (American Edn.) May 1955

۲۰) A.S Thritton, Islām, London 1951, P.21

۲۱) متی ۱۰: ۳۴،۳۵

۲۲) مودودی، ابوالاعلی سید، الجہاد فی الاسلام، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ص ۱۶۳

۲۳) ابن حجر، احمد بن علی، العسقلانی، فتح الباری، دار نشر الکتب الاسلامیہ، پاکستان، طبعہ ندارد، ۱۴۰۱ھ ،ج ۷ ص ۲۹۱۔ رزق اللہ احمد، الدکتور، السیرۃ النبویۃ، مرکز الملک الفیصل والدراسات الاسلامیہ ،الریاض، الطبعہ الاولی، ۱۴۱۲ھ، ص ۳۸۱

۲۴) رزق اللہ احمد، الدکتور، السیرۃ النبویۃ، مرکز الملک الفیصل والدراسات الاسلامیہ، الریاض، الطبعہ الاولی، ۱۴۱۲ھ، ص ۳۸۱

۲۵) ابن ہشام، عبد الملک بن ہشام، دار المعرفہ، بیروت) س،ن، ج ۲ ص ۲۷۶

۲۶) بیہقی، احمد بن حسین بن علی، ابو بکر، السنن الکبری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، الطبعہ الثانیہ، کتاب السیر، باب فتح مکہ حرسھا اللہ تعالی، حدیث: ۱۸۲۷۵

۲۷) نوائے وقت: ۴ جولائی ۱۹۸۱ء

۲۸) الصنعانی، عبد الرزاق بن ہمام، ابو بکر، المکتب الاسلامی، بیروت، الطبعہ الثانیہ، ۱۴۰۳ھ، ج ۹ ص ۴۶۹، حدیث :۱۸۰۴۳

۲۹) ابن اعثم، احمد بن محمد بن علی، دار الاضواء، بیروت، الطبعہ الاولی، ۱۴۱۱، ج ا ص ۱۴۴

۳۰) علی المتقی الھندی، کنز العمال، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط ندارد، ۱۳۹۹ھ، ج ۷ ص ۲۴

۳۱) نعمانی، مولانا شبلی، الفاروق، ص ۱۸۹

۳۲) البلاذری، احمد بن یحیی بن جابر، فتوح البلدان، دارو مکتبۃ الھلال، بیروت، ط ندارد، ۱۹۸۸ء، ج ا ص ۱۳۹

۳۳) بخاری، محمد بن اسمعیل، صحیح البخاری، مکتبہ دار السلام، الریاض، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۹۹ء، کتاب المغازی، باب غزوہ ذات الرقاع، حدیث: ۴۱۳۴، ص ۷۰۰۔ فتح الباری ج ۷ ص ۴۲۸

۳۴) ہفت روزہ، "لائٹ" لاہور، ۱۶ ستمبر ۱۹۲۴ء بحوالہ پیغمبر امن، مرکزی جمیعت اہلحدیث سیالکوٹ، ص: ۲۱۴، ۲۱۵

* *